محمد مسعود۔ ایم۔ایس سی، مولوی فاضل
(ریسرچ فیلو: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد)

اسلام اور ارتقائے سائنس

روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ اس کائنات میں رونما ہونے والے تمام طبعی اعمال کسی نہ کسی طبعی قانون کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز ہوا میں اُچھالی جاتے تو قانونِ کششِ ثقل کے تحت زمین پر گر پڑتی ہے۔ روشنی کی شعاعیں جب کسی چمکدار چیز پر پڑتی ہیں تو قوانینِ انعکاس کے تحت منعکس ہوجاتی ہیں مخصوص قوانین کے تحت زمین، چاند، سورج اور ستارے خاص خاص رفتار سے اپنے اپنے مقررہ دائروں میں حرکت کرتے ہیں۔ طبعی قوانین کے تحت ہی انسانوں اور حیوانات کو بھوک اور پیاس لگتی ہے۔ انہی طبعی قوانین کی دریافت اور ان سے ایجادات و اختراعات میں کام لینے کو اصطلاحاً سائنس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان طبعی قوانین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور قسم کے قوانین یعنی شرعی قوانین بھی تھے جن کی پابندی کرنے پر کسی مخلوق کو مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کے ارادے اور اختیار پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ ان کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اِن قوانینِ شرعی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لفظ امانت سے تعبیر فرمایا اور بتایا کہ:

انا عرضنا الامانة على السمٰوٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان ۰ (۳۳ : ۷۲)	ہم نے یہ امانت (یعنی قوانینِ شرعی جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمے لے لیا۔

اور جب عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے پوچھا:

الست بربكم قالوا بلىٰ ۔ (۷ : ۱۷۲)	کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں (آپ ہمارے رب ہیں)

اس طرح اپنے ارادے اور اختیار سے اللہ کے قوانین شرعی کی پابندی کا اقرار کرکے انسان نے کمال عبدیت کا اظہار کیا۔ یہی وہ اقرارِ عبودیت و اطاعت تھا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ شرف عطا فرمایا کہ زمین پر اپنا خلیفہ یعنی اپنے شرعی قوانین کا نافذ کرنے والا بنایا اور انعامات کی اتنی بارش

بوسائی کہ اس کو طبعی قوانین کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرمادی تاکہ ان سے کام لے کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز سے استفادہ کر سکے۔ دوسرے لفظوں میں آسمان اور زمین کی ہر چیز کو اُس کے لیے مسخر کر دیا یعنی قابلِ خدمت بنا دیا۔ اس حقیقت کی طرف انسانوں کی توجہ بہت سی قرآنی آیات میں مبذول کرائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجۂ ذیل آیت میں دیکھیے:

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ۔ (۳۱ : ۲۰)	کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے (یعنی قابلِ خدمت بنا دیا ہے) اور تم پر اپنی ظاہری اور پوشیدہ نعمتیں پوری کر رکھی ہیں۔

خالقِ کائنات کا اپنی کائنات کے بارے میں یہ اعلان کہ اُس کی ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا اس بات کے لیے بہترین محرّک ہے کہ انسان کائنات کی ہر چیز سے استفادہ کرے۔ اس قسم کے استفادے کے لیے سائنسی علم کی ضرورت ہے۔

سائنسی علم کی بنیاد دو اہم چیزوں پر ہے۔ ایک تو مشاہدات پر (یا تجربات پر، جو دراصل مشاہدات ہی ہیں جو مخصوص حالات میں کیے جاتے ہیں) اور دوسرے غور و فکر پر۔ اوّل الذکر میں انسانی حواس سے کام لیا جاتا ہے اور مؤخرالذکر کا تعلق ذہن کی کارکردگی سے ہے۔

مشاہدہ اور غور و فکر کی تاکید

قرآن کریم میں جا بجا قوانینِ قدرت اور مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور انسانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین پر جو کچھ بھی ہے، اس کا بغور مشاہدہ کریں۔ اس کے علاوہ انسان کو خوراک کی نمو، پرندوں کی اڑان، بارش برسنے کے عمل اور دوسرے فطری اعمال کے مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حقائق دریافت کرنے کے لیے مشاہدات کے ساتھ غور و فکر بھی ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے غور و فکر پر بھی زور دیا ہے۔ قرآنِ کریم نے بہت سے فطری اعمال کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ ان میں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے حواس مشاہدے کے لیے اور اپنا

ذہن غور فکر کے لیے استعمال نہیں کرتے، انھیں قرآن کریم نے چوپایوں سے تشبیہ دی ہے بلکہ ان سے بھی بدتر بتایا ہے۔

استدلال کی اہمیّت

بعض اوقات مشاہدہ اور غور و فکر سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا اُس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک استدلال سے کام لیا گیا ہے اور استدلال کے مختلف طریقے استعمال کیے گئے ہیں۔

"قرآن کریم کا ایک طریقۂ استدلال مندرجۂ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:

لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا۔	اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بہت سے خدا ہوتے تو یقیناً ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

استدلال اس طرح کیا گیا کہ اگر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنا علیحدہ نظام چلاتا اور اس طرح فساد برپا ہو جاتا لیکن چونکہ فساد نہیں ہے اس لیے ثابت ہوا کہ معبود صرف ایک ہے۔

قرآن کریم کا دوسرا طریقۂ استدلال تمثیلی ہے۔ مثلاً:

واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقنٰہ الیٰ بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتھا کذٰلک النشور۔ (۳۵ - ۹)	اور اللہ (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم اس بادل کو خشک قطعۂ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں۔ پھر ہم اس کے (پانی) کے ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اسی طرح (قیامت میں) لوگوں کا زندہ ہو جانا ہوگا۔

اس آیت میں مردہ زمین کے زندہ ہونے کو بطور نظیر پیش کر کے مُردہ انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کیا گیا۔

قرآن کریم کا تیسرا طریقۂ استدلال استقرائی ہے جیسا کہ مندرجۂ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:

قل اللھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل	(اے پیغمبرؐ) آپ کہیے۔ اے اللہ ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیں، جس سے چاہیں ملک چھین لیں جس کو چاہیں عزت دیں جس کو چاہیں ذلت

من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شیءٍ قدیر o (۳ : ۲۶)	دیں۔ آپ کے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اس آیت میں بعض امور پر اللہ کی قدرت کا اظہار کر کے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن کریم میں کشتی اور جہاز کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس میں عقل و شعور رکھنے والوں کے لیے آیات اور نشانیاں موجود ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنسی ایجادات کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر یقین و ایمان کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لاٰیات لقوم یعقلون۔ (۲ : ۱۶۴)	اور اس کشتی میں جو لوگوں کے نفع کی چیزوں کو لے کر چلتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہوں۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے قوانین شرعی پر عمل کرتے ہوں اور ساتھ ہی کائنات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوں یعنی سائنسی تحقیقات میں مصروف ہوں، اولوالالباب اور علما کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

اِنّ فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً سبحانك فقنا عذاب النار o (۳ : ۱۹۰-۱۹۱)	بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات کے اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں، اہل عقل کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں (یعنی ایمان کے ساتھ قوانین شرعی کی پابندی کرتے ہیں) کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے پر غور کرتے ہیں کہ اے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ آپ منزہ ہیں۔ سو ہم کو آگ کے عذاب سے بچائیے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان و یقین کے ساتھ کائنات پر تحقیقات کرتے ہیں وہ حقیقت کائنات اور خدا کی ذات و صفات کے بارے میں صحیح نتائج پر پہنچتے ہیں۔ بغیر ایمان و یقین کے یہ تو ممکن ہے کہ سائنسی تحقیقات کر کے کسی قانونِ طبعی کا علم حاصل کر لیا جائے اور اس کی بنیاد پر کوئی ایجاد و اختراع عمل میں آجائے۔ لیکن اس کائنات کی اصل حیثیت و حقیقت کا پتہ لگانا ایسے لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہے جو

ایمان نہ رکھتے ہوں۔

وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یؤمنون۔ (۱۰ : ۱۰۱)

اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔

الم تر انا انزلنا من السماء ماءً فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها و من الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود و من الشجر والدواب والانعام مختلفاً الوانه کذلک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (۳۵ : ۲۷ : ۲۸)

کیا تُو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اسی کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور (اسی طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں، (بعضے) سفید (بعضے) سُرخ کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں اور (بعضے) بہت سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں، جانوروں اور چوپاؤں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں (اور) خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اُس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بخشنے والا ہے۔

اس آیت کا انداز صاف بتا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی تخلیق پر غور و خوض کرتے ہیں اور اشیائے کائنات پر سائنسی تحقیقات کرتے ہیں۔ ان کو ان اشیا میں خاص قوانین اور تنظیم کا پتہ چلتا ہے اور ان کو اس تنظیم کے قائم کرنے والے اور ان قوانین کے بنانے والے کی قدرت اور عظمت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان پر اس کی ہیبت و جلال کی وجہ سے خشیت طاری ہو جاتی ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا خود کو عزیز کہنا اس بات کو بتاتا ہے کہ وہ زبردست ہے اس لیے ہر شے اور قانون پر اس کا تصرف ہے اور غفور کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایسے علما کو جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، اس خشیت کی وجہ سے بخش دیا جائے گا کیونکہ یہ خشیت ان کے اعمال پر بھی اثر انداز ہوگی۔

حصولِ علم کی تاکید

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حصولِ علم کی تاکید کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں نہ صرف علم کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے بلکہ ان لوگوں کے بلند مقام پر بھی روشنی ڈالی گئی جو اپنی زندگیاں حصولِ علم کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں علما کو انبیا کا وارث قرار دیا گیا۔

علم کی قسمیں

قرآن کریم کے اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ علم دو قسم کا ہے ایک وہ جس کو مشاہدات کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے اور دوسرا وہ جو مشاہدات و محسوسات سے بالا تر ہے۔ مثلاً اللہ کی ذات و صفات، قیامت، آخرت، فرشتوں اور قوانین شرعی کا علم۔ از روئے قرآن اوّل الذکر علم تین اقسام میں منحصر ہے ایک علم تاریخ جس کو ایام اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرا علم نفس انسانی اور تیسرا علم آفاق، یعنی باقی کائنات کا مطالعہ و علم۔

مؤخر الذکر علم پیغمبروں کو وحی کے ذریعے عطا کیا گیا۔

قرآن کریم کے اندازِ بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تمام علوم ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ کوئی بھی علم دوسرے علم سے بالکلیہ ممتاز نہیں۔ چنانچہ بعض آیات میں عالم طبیعیات کا ذکر کر کے خدا کی ذات و صفات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیت کو دیکھیے۔

ویرسل الصواعق فیصیب بھا	اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے گرا دیتا
من یشاء وھم یجادلون فی اللہ	ہے۔ اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے
وھو شدید المحال ○ (۱۳ : ۱۳)	ہیں۔ حالانکہ وہ بہت شدید القوت ہے۔

اس آیت میں بجلیوں کے گرانے کا ذکر کر کے جس کا تعلق عالم طبیعیات سے ہے اور اللہ کے بارے میں لوگوں کے جدال کا تذکرہ کر کے جس کا تعلق نفسِ انسانی سے ہے، ذہن انسانی کو اللہ تعالیٰ کے شدید القوۃ ہونے کی طرف منتقل کیا گیا۔

اسی طرح اس آیت میں دیکھیے:۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا	واقعی اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب
ما بانفسھم ط (۱۳ : ۱۱)	تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

اس میں علم تاریخ، علمِ نفس اور علمِ الٰہی کی باتیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اور بھی بہت سی قرآنی آیات ہیں جن میں علم کی ایک شاخ دوسری شاخ سے مربوط ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن وحدتِ علمی کا قائل ہے۔

حصولِ علم کے لیے دوسرے اسلامی محرکات

قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں براہِ راست ہدایات کے علاوہ حصولِ علم کے لیے جس میں طبعی علوم بھی

شامل ہیں اور محرکات بھی ہیں۔ ان میں سے ایک محرک مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ دنیا میں سیر و سیاحت کر کے ان قوموں کے انجام جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا عبرت حاصل کریں۔ ایک محرک مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ اپنے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت اور سامانِ جنگ تیار کریں۔ یہ حکم جنگی صنعتوں اور ان سے متعلقہ سائنسی علوم کے حصول کے لیے ایک اہم محرک ہے۔

آیاتِ قرآنی میں کائنات میں مظاہرِ قدرت کے بار بار حوالے، مثلاً چاند کی مختلف منزلوں کا ذکر، ہر چیز کو ایک خاص نسبت سے پیدا کرنے کا بیان، سورج اور چاند کے خاص خاص رفتار سے اور خاص خاص دائروں میں حرکت کرنے کا ذکر، ہر چیز کے جوڑا جوڑا پیدا کرنے کی وضاحت، یہ سب چیزیں سائنسی تحقیقات کے لیے محرکات کا کام دیتی ہیں۔

نماز، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کے احکام بھی سائنسی مطالعے کے محرکات کا کام دیتے ہیں۔ نماز کے اوقات معلوم کرنے اور نماز کے لیے سمتِ قبلہ کے تعین کے لیے مسلمانوں کو سورج اور ستاروں کا ارتفاع اور ان تمام مقامات کے، جہاں پر کہ مسلمان آباد ہوں، طول بلد اور عرض بلد معلوم کرنے پڑتے ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں کو حج، جہاد، تجارت اور تبلیغ وغیرہ کے سلسلے میں دور دراز مقامات کے برّی اور بحری سفر کرنا پڑتے تھے۔ ان اہم مشاغل نے ستاروں کے نقشے تیار کرنے کے لیے جو سفر میں ان کی رہنمائی کے لیے ضروری تھے، دلچسپی پیدا کر دی۔ اس کے علاوہ علم جغرافیہ کی ترقی کے لیے فریضۂ حج ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ حج کے لیے مکّے کی طرف روانہ ہونے سے پہلے حاجی ان علاقوں کے بارے میں جو ان کے راستے میں واقع ہوں تمام ضروری معلومات جمع کرتے تھے، اسی طرح جو مواد جمع ہوا اس میں جغرافیائی معلومات کے علاوہ بہت سے ملکوں کی مذہبی، مجلسی، سیاسی، تاریخی اور زراعتی معلومات بھی شامل تھیں۔

ظہورِ اسلام کے بعد ایک صدی کے اندر اندر مسلمانوں کی حکومت مشرق میں ایران و خراسان تک، مغرب میں مراکش، اسپین، جنوبی فرانس اور بحر اوقیانوس کے ساحل تک، شمال میں دریائے اوکسس تک پھیل گئی۔ اس وسیع حکومت کے بڑے بڑے ذرائع آمدنی جزیہ، خراج، عشر اور غنیمت پر مشتمل تھے۔ آمدنی کے حساب کتاب کے لیے ریاضی کا علم حاصل کرنا ضروری تھا۔ شہروں، عمارتوں اور مسجدوں کی تعمیر کے لیے حساب

الجبرا، جیومیٹری اور علم المثلثات میں مہارت درکار تھی۔ اس لیے اُن انجنیروں کو جو عمارتوں اور سڑکوں کی تعمیر سے متعلق تھے، ریاضی کے میدان میں تحقیقات کرنی پڑتی تھی۔

وراثت کی تقسیم کے لیے بھی جس کے متعلق قرآن کریم نے واضح احکام دیئے ہیں علم حساب کی ضرورت تھی اس لیے اسلام کے قانونِ وراثت کے مطابق ورثا میں اُن کے حصّوں کی تقسیم کے لیے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

طبّی معاملات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مثلاً یہ کہ ہر اُس بیماری کے لیے جس میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو مبتلا کرتا ہے اس نے ایک مناسب علاج پیدا کیا ہے، مسلمانوں کی طبّی تحقیقات کا ایک ذریعہ ثابت ہوئے۔ انسانوں کی فلاح و بہبود کے کام کرنے کے لیے اسلامی ہدایات نے مسلمان حکمرانوں اور عام لوگوں کی توجہ ادویات کی تیاری، حفظانِ صحت کی ترقی اور نئے ہسپتالوں کے قیام کی طرف مبذول کرائی۔ اس سائنسی روح یعنی جذبۂ تحقیق سے سرشار ہو کر جو اسلام کی مجموعی تعلیمات نے ان میں پیدا کی، مسلمانوں نے اپنی دلی توجہ علم کے ان تمام ذرائع کی طرف جو ان کے زمانے میں موجود تھے منعطف کرا دی۔ انھوں نے مختلف قوموں کی ان سائنسی تحقیقات سے جو ان کے زمانے تک کی جا چکی تھیں واقف ہونے کی کوشش کی۔ چونکہ سائنس ایک مرتب اور مربوط عمل ہے جس میں ہر اگلا قدم اپنے پچھلے قدم سے متعلق ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی واقفیت ضروری تھی۔ سائنسی تحقیقات کے بارے میں مشہور مسلمان سائنسدان البیرونی اپنا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> "میں نے خلوص کے ساتھ وہ سب کچھ کیا ہے جو کہ ہر شخص کو کسی مخصوص سائنسی شعبہ کے بارے میں کرنا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ وہ شکریے کے ساتھ قدیم لوگوں کی تحقیقات کو قبول کرے جرأت کے ساتھ ان کی غلطیوں کی جو اُس کے علم میں آئیں اصلاح کرے اور جو کچھ اُس نے خود دریافت کیا ہے اس کو محفوظ کرے اور اس کو آنے والی نسلوں کے لیے بطور ریکارڈ کے چھوڑ جائے۔"
>
> (البیرونی۔ قرآن سوسائٹی کلکتہ صفحہ ۱)

قبل از اسلام عربوں کے پاس ہیئت، موسمیات، طب اور حیوانات کا کچھ بنیادی علم موجود تھا۔ ظہورِ اسلام کے بعد عربوں نے ریاضی اور ہیئت کا علم ہندوستان سے حاصل کیا اور زیادہ تر علم ہیئت میں اور کچھ حد تک ریاضی اور طب میں یونانی ذرائع سے فائدہ اٹھایا۔ یونانیوں نے اپنا قدیم علم سائنس ان بابلیوں

سے حاصل کیا تھا جو عربوں کی طرح عرب سے میسو پوٹیمیا کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قدیم سائنس جو عربوں نے یونانیوں سے حاصل کی وہ انہی کے قدیم بھائیوں کا ورثہ تھا۔

(رابرٹ بریفالٹ۔ ارتقائے انسانیت۔ ترجمہ عبدالمجید سالک۔ لاہور ص ۳۰۱)

تاہم قدیم دنیا قبل از سائنس کی دنیا تھی۔ یونانی دوسروں سے حاصل کیے ہوئے علم ہیئت اور ریاضی کو اپنے اندر پوری طرح نہ سمو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنی سائنسی معلومات کو منظم کیا۔ اپنے نتائج کو عمومیت دی اور نظریات قائم کیے لیکن کائنات کے طبعی قوانین سے بے خبر رہے، اور تجربات کو حقارت سے دیکھا۔ مثلاً یونانی فلسفی ارسطو نے طبیعیات پر ایک کتاب تصنیف کر دی لیکن زندگی بھر ایک تجربہ بھی نہ کیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے جن کو کائنات کا براہ راست مشاہدہ کرنے، غور و فکر سے کام لینے اور نتائج اخذ کرنے ترغیب دی گئی تھی، تجربات کی بنیاد پر نظریات قائم کیے۔ اس طرح مسلمان سائنس دانوں نے سائنسی مسائل کی طرف عملی اقدام کو نظریات سے ملا دیا۔ یہ آمیزش جدید سائنسی ارتقا پر منتج ہوئی۔ یہ حقیقت کہ مسلمان سائنس دان سائنس کے عملی پہلو کو شدید اہمیت دیتے تھے، کیمسٹری میں اس عظیم ترقی سے جو کہ مسلمان سائنس دانوں نے کی، واضح ہو سکتی ہے۔

سائنس کے شعبے میں مسلمان سائنس دان کیمیائی تکنیک، آلات و سامان اور صنعتی اعمال اور فنِ دوا سازی کی عظیم ترقی کے ذمہ دار ثابت ہوئے۔ انھوں نے تجربہ گاہ میں عملی پہلو کو ترقی دی اور کیمیائی اسلوب اور اعمال کی تحقیق کی۔ کیمیائی آلات اور سامان کے خاکے تجرباتی اسالیب اور طریقوں کا مرتب بیان۔ کیمیائی اعمال پر نظر ثانی، بحث اور کیمیائی اشیا کے خواص اور تیاری جس کا ذکر ان کی کتابوں میں ملتا ہے، اس بیان کی توثیق کرتے ہیں۔

مسلمان سائنس دان جن نتائج کا استخراج تجربات و نظریات کی آمیزش کے بعد کرتے تھے، انھیں عمومیت دی جاتی تھی اور مربوط کیا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں استقرائی طریقہ استعمال کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ابن الہیثم نے مختلف قسم کی روشنی کا مختلف قسم کے شیشوں اور مختلف ذرائع وقوع کے ساتھ منعکس ہونے کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد قوانین انعکاس کی توثیق کی۔

تفصیلی اور طویل مشاہدات، صابرانہ تحقیقات، اور جانچ پڑتال، مثبت علم کی فراہمی اور تجربات کی بنیاد پر تحقیق کا جذبہ، یہ تمام چیزیں جو سائنسی تحقیق میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں، ان سے مسلمان سائنس دان بہت اچھی

طرح لیس تھے۔ اسلامی تعلیمات سے پیدا شدہ نئی روحِ تحقیق اور اس روحِ تحقیق کے نتیجے میں مسلمانوں کے پیدا کردہ تحقیقات کے لیے اسلوب، دونوں نے مل کر جدید سائنس کو جنم دیا۔

(رابرٹ بریفالٹ۔ ارتقائے انسانیت)

مسلمانوں نے کمی مطالعے کی طرف گہری توجہ مبذول کی۔ سائنس کا مطالعہ دراصل کمی اور کیفی تحقیق کی طرف مساوی توجہ پر موقوف ہوتا ہے اور کمی مطالعہ کے لیے پیمائش کی صحت از حد ضروری ہوتی ہے۔ مسلمان سائنس دانوں نے اسی بنیاد پر صحت کے ساتھ اپنے تجربے کیے۔ انھوں نے آنکھ بند کر کے یونانیوں اور دوسری قوموں کے سائنسی نتائج کو قبول نہیں کیا بلکہ وقتی طور پر محض نظریات کو قبول کیا تاکہ ان کی بنیاد پر تحقیق کا کام کیا جا سکے۔ تجربات کی بنیاد پر اپنے دائرہ علم کے وسیع تر ہو جانے کے بعد انھوں نے پچھلی قوموں کے ان نتائج کو قبول کر لیا جو تجربات پر پورے اُترے اور باقیوں کو مکمل طور پر رد کر دیا۔ بعض صورتوں میں انھوں نے ان نتائج پر تنقید بھی کی اور ان کو بہتر بھی بنایا۔ اس کے علاوہ اپنی طرف سے قیمتی اضافے بھی کیے۔ انھوں نے ستاروں کے کیٹیلاگ بنائے۔ جابر بن افلح نے اصلاح المجسطی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں بطلیموسی نظام پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ نصیر الدین طوسی نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب تذکرہ میں اپنے تنقیدی نظریات پیش کیے۔ ان تنقیدی نظریات نے آگے چل کر کوپرنیکس کے نظامِ شمسی کے لیے مواد فراہم کر دیا۔ اسی طرح انسانی کھوپریوں کے مطالعے کے بعد عبداللطیف نے نچلے جبڑے اور سیکرم کے بارے میں جالینوس کے نظریے کی اصلاح کی۔ مسلمان سائنس دانوں نے ہیئتی مقادیر دریافت کیں۔ مثلاً میلانِ شمسی اور (بطلیموس کے وقت سے لے کر اس وقت تک) اوجِ شمسی کے طول بلد میں اضافہ۔ انھوں نے آسمانی درجے کا طول معلوم کیا اور اس سے زمین کا محیط اور قطر معلوم کیا۔ البیرونی نے بہت سی معدنیات کی کثافتِ اضافی معلوم کی۔

مسلمان سائنس دان، مشاہدات کے لیے صحیح آلات استعمال کرتے تھے جو کہ یونانیوں کے بنائے ہوئے آلات سے بدرجہا بہتر تھے۔ اچھے آلات بنانے والوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک بڑے ماہر ہیئت دان ابن یونس نے آلاتِ سائنس کے دو عظیم صناعوں علی ابن عیسیٰ اور حامد کا مقابلہ بطلیموس اور جالینوس سے کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عمدہ قسم کے آلات کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ مسلمانوں نے نہ صرف قدیم آلات کو بہتر بنایا بلکہ نئے آلات بھی ایجاد کیے۔

مسلمان سائنس دان اپنے مشاہدات اور حساب کتاب میں بھی صحت کا بے حد خیال رکھتے تھے۔

اس سے قطع نظر کہ اس میں وقت کتنا لگے گا، جابر ابن اسنان البتّانی نے اکتالیس سال تک (۸۷۷ تا ۹۱۸ء) قابلِ ذکر صحت کے ساتھ کئی طرح کے فلکی مشاہدات کیے۔ ایک اور عظیم سائنس دان الماہانی نے تینتیس[۳۳] سال (۸۳۳ تا ۸۶۶) سورج اور چاند گہن کے مشاہدات کا ایک وسیع سلسلہ جاری رکھا۔

اس عظیم اہمیت کے پیشِ نظر جو مسلمان سائنس دان مشاہدات اور حساب کتاب میں صحت کو دیتے تھے بعض دفعہ مسلمان سائنس دانوں کے قیمتی تحقیقی مسودات پر حلفیہ دستخط لیے جاتے تھے۔

براہِ راست مشاہدات کے لیے مسلمان دور دراز اور دشوار گزار سفر بھی کرتے تھے۔ مثلاً اسپین کے مشہور ماہر نباتات ابن البیطار نے ان مقامات میں نباتات کے مشاہدات کے لیے جہاں پر کہ وہ اُگتے تھے، ایشیائے کوچک کا سفر کیا۔ اس نے پوری اسلامی دنیا سے نباتات کے نمونے جمع کیے اور ان کا مقابلہ ایران اور ہندوستان کے نباتات سے کیا۔ اس کی کتاب میں چودہ سَو نباتات کو بیان کیا گیا ہے۔ میئر نے اس کتاب کو محنت اور جفاکشی کا شاہکار قرار دیا ہے۔ البیرونی نے اپنے چالیس سالہ سفر کے دَوران معدنیات کے لاتعداد نمونے جمع کیے۔

رابرٹ بریفالٹ نے اس غلط نظریے کی تردید کی ہے کہ راجر بیکن سائنس میں تجرباتی طریق کا بانی تھا۔ بریفالٹ کی رائے کے مطابق راجر بیکن کی اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی کہ اس نے عیسائی یورپ کو مسلمانوں کی سائنس اور اُن کے اسلوبِ تحقیق کی تعلیم دی۔ بیکن خود اس بات کا اقرار کرنے میں تامل نہیں کرتا تھا کہ اس کے ہمعصروں کے لیے سائنسی علوم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ عربی زبان اور عربی سائنس ہے۔ بعد میں جب یہ بات زیرِ بحث آئی کہ تجرباتی طریقِ کار کا بانی کون تھا تو عربوں کی ہر وہ دریافت اور ایجاد اُس یورپی سائنس دان کی طرف منسوب کر دی گئی جس نے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ مثال کے طور پر قطب نما کی ایجاد یورپ کی ایک فرضی شخصیت کی طرف منسوب کر دی گئی۔ آرنلڈ آف ویلانووا کو الکحل کا موجد بنایا گیا۔ بارود اور عدسے بیکن یا شوارز کی ایجادات بتائے گئے۔ یہ ان خطرناک غلط بیانیوں کی چند مثالیں ہیں جو یورپی تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں کی گئیں۔ یہاں پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ راجر بیکن کے زمانے تک عربوں کا تجرباتی طریق یورپ میں عام ہو چکا تھا اور اس کو جوش و خروش کے ساتھ اپنایا جا رہا تھا۔

دنیائے اسلام میں سائنسی ارتقا کے شاندار دَور کا ذکر کرتے ہوئے رابرٹ بریفالٹ نے اپنی

مشہور کتاب "تشکیلِ انسانیت" میں اس دلچسپی کو جو مسلمان سائنسی تحقیقات میں لیتے تھے، واضح کرنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں:

بغداد، شیراز اور قرطبہ کے حکمران ذہنی اور تمدنی خزینوں کو اپنے درباروں کی شان و شوکت خیال کرتے تھے۔ ان کے دور میں سائنس اور ادب کی قابلِ ذکر ترقی کو تنہا ان کی سرکاری سرپرستی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ ان کی ذاتی اور مخلصانہ دلچسپی تھی جو اس ترقی کی ذمہ دار ثابت ہوئی جس کا مقصد اپنی ذاتی شان و شوکت نہیں تھا بلکہ اپنے تمدنی ورثے کو زرخیز بنانا تھا۔"

عام آدمی سائنسی مسائل میں جو دلچسپی لیتے تھے اس کا اندازہ قاہرہ کے ایک جج اور عالم دین (۱۲۸۵ء) کی کتاب سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے علم المناظر پر تحریر کی۔ اس کتاب میں انھوں نے علم المناظر کے پچاس ایسے مسائل سے بحث کی ہے جن میں سے تین سوالات وہ ہیں جو کہ سسلی کے بادشاہ فریڈرک دوم نے مسلمان علما سے کیے۔ اس بادشاہ نے ۱۲۲۰ء اور ۱۲۳۰ء کے درمیان اسپین اور مصر کے مسلمان علما کے لیے فلسفی اور ہندسی مسائل مرتب کیے۔ وہ تین سوالات یہ ہیں:

۱۔ جب پتوار اور بالیاں جزوی طور پر پانی میں ہوتی ہیں تو وہ خمدار کیوں نظر آتی ہیں؟

۲۔ جب ستارہ سہیل افق کے قریب ہوتا ہے تو بڑا کیوں نظر آتا ہے۔ اگر اس کی وجہ رطوبت بتائی جائے تو جنوبی صحراؤں میں رطوبت کہاں سے آئی؟

۳۔ جو لوگ رمدِ چشم یا موتیا بند کے مریض ہوتے ہیں، ان کی آنکھوں کے سامنے تیرتے ہوئے داغ دھبے کیوں نظر آتے ہیں؟

مسلمان سائنسدانوں نے اپنی سائنسی تحقیقات کے دوران اپنے نظریات کا عملی فائدہ اٹھایا، مثلاً انھوں نے ستاروں کا مشاہدہ کیا اور جہازرانی میں مدد کے لیے ستاروں کے نقشے تیار کیے۔ ابنِ یونس نے وقت کی پیمائش کے لیے پنڈولم کا استعمال کیا۔ ابن سینا نے فضا کا درجۂ حرارت معلوم کرنے کے لیے فضائی تھرمامیٹر استعمال کیا۔ کاغذ، قطب نما، توپ، بارود۔ نامیاتی تیزاب اور الکلی مسلمان سائنسدانوں کی چند اہم ایجادات ہیں جن میں سائنسی نظریات اور تحقیقات سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ ان ایجادات نے انسانی تہذیب میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

مسلمان سائنس دانوں نے اپنی کوششوں سے الجبرا کو ریاضی کے ایک مستقل شعبے کی حیثیت دی۔ دنیا کی زبانوں میں لفظ الجبرا اپنے اصل عربی مادّے ہی سے مشتق ہے۔ مسلم سائنس دانوں نے سطحی اور کروی علم المثلثات کو بھی ترقی دی۔ انھوں نے الجبرے کو چوتھے درجے کی مساوات تک پہنچا کر علم المثلثات میں اہم دریافتیں کر کے اور یونانیوں کے وتر کے جیب اور جیبِ تمام کا استعمال کر کے انسانی قوتِ تحقیق میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ انھوں نے کیمسٹری کو ایک باقاعدہ سائنس کی حیثیت دی۔ علم المناظر اور علم امراضِ چشم کو انتہائی ترقی کے منازل تک پہنچا دیا۔ حیوانات کا طبی علاج معلوم کر کے انھوں نے حیوانات کے علاج کو ایک مستقل سائنس بنا دیا، جو اپنے بانی ابنِ بیطار کے نام پر بیطرہ کہلایا۔ یہی لفظ بیطرہ ہے جو مسخ ہو کر انگریزی میں وٹرنری ہو گیا ہے۔ مسلم سائنس دانوں نے اپنے علم، تجربات اور اس اسلامی عقیدے کی بنا پر کہ انسانی قسمت پر ستارے اثر انداز نہیں ہو سکتے، علمِ ہیئت سے علمِ نجوم کو علیحدہ کر کے اور علمِ ہیئت کو توہمات سے پاک کر کے اس کو خالص سائنسی بنیاد پر مرتب کیا۔ رازی نے علم کیمیا سے ادویات کی تیاری میں کام لیا اور اس طرح سائنسی اصولوں پر فنِ دوا سازی کی بنیاد ڈالی۔ مسلم سائنس دانوں نے سائنس کے دوسرے شعبوں کو بھی بلند مقام تک پہنچا دیا اور لاتعداد ایجادات اور دریافتیں کیں جن کا ذکر اس مختصر مقالے میں نہیں کیا جا سکتا۔

یورپی قوموں نے جو کہ ایک درخشاں اور تخلیقی اسلامی تہذیب کے پہلو بہ پہلو زندگی گزار رہی تھیں اور اس سے مستقل رابطہ قائم کیے ہوئے تھیں، اثر پذیری کے فطری قانون کے مطابق اس تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اسلامی تہذیب کے اثرات کے تحت ان میں بھی وہ سائنسی اور ادبی علوم سسلی اور اسپین کے ذریعے یورپ منتقل ہو گئے جس کا نتیجہ سولہویں صدی میں اس ذہنی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوا جس کو نشاۃ ثانیہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں متعلقہ تفصیلات کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔

بقول بریفالٹ سائنس ایک ترقی پذیر فکر کا خلاصہ ہے اس لیے ہر آنے والی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں کو خفّت کی نظر سے دیکھتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی اپنی ترقی کا دار و مدار بھی اپنے اسلاف کے کارناموں پر ہوتا ہے۔ یہی کچھ مسلمانوں کی سائنس کے ساتھ بھی ہوا۔ ان تمام متعصبانہ بیانات کے باوجود جو صدیوں سے یورپین قوموں کی طرف سے مسلمانوں کے ادب، سائنس، تہذیب اور تمدن کے بارے میں دیے

جاتے رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کی طرف سے ان شہادتوں کو بگاڑنے، چھپانے اور مٹا دینے کی کوشش کی جا رہی ہیں جن سے کہ یورپ کی تہذیب پر اسلامی تہذیب کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، یہ بات بلا خوفِ تردید بیان کی جا سکتی ہے کہ اسلام نے جدید سائنس کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور اس نے قبل سائنس کی دنیا کو سائنسی دنیا میں بدل دیا ہے۔

وہ لاتعداد عربی الفاظ اور سائنسی اصطلاحات مثلاً ایڈمرل، اسکوئڈرن، وٹرنری، الجبرا، الکوحل، الکلی جو آج کل بھی یورپ کی زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں، جدید سائنس کے ارتقا میں مسلمانوں کے کردار کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کثیر التعداد کتابیں جو یورپ اور ایشیا کی لائبریریوں میں بکھری پڑی ہیں اور وہ سائنسی آلات اور صنعت و حرفت کے نمونے جو کہ بہت سے ملکوں کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ وہ محلات اور مسجدیں جو صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ قائم ہیں۔ دنیا کی تاریخ کے اس اہم دور کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

یہ تقدیر کی عجب گردش ہے کہ وہ مسلمان جنھوں نے دنیا کی قوموں میں علم کی روشنی پہنچانے کا کردار ادا کیا اور انسانی تہذیب کو جلا بخشی وہ اب صدیوں سے پس ماندگی کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ مسلمان ساتویں صدی سے پندرھویں صدی تک ادبیات اور سائنس میں ارتقا کی منزلیں طے کرتے رہے لیکن اسی اثنا میں جب انھوں نے اپنے ضابطۂ اخلاق سے منہ موڑا، تو ان کی سیاسی، معاشی اور ثقافتی حالت میں زوال رونما ہو گیا۔ سیاسی زوال کی وجہ سے حکومت کی علمی اور سائنسی مطالعے اور تحقیقات کے سلسلے میں سرپرستی ختم ہو گئی۔ اس دور کے علما نے ان ناگفتہ بہ حالات میں فیصلہ کیا کہ کم از کم مذہبی علوم کو باقی رکھا جائے، ان کی کوششوں سے صدیوں سے دین اسلام اور اسلامی روایات کا علم ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا۔ لیکن مسلمانوں کے زوال کی ان چند صدیوں کے دوران یہ خیال عام ہو گیا کہ اسلامی علوم کے علاوہ اور جتنے بھی علوم ہیں وہ خلافِ شرع ہیں۔

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے عمومی زوال کے ساتھ ساتھ مغربی قومیں اس انقلابی قوت کے زیر اثر جو نشاۃ ثانیہ کے ذریعے ان میں پیدا ہوئی۔ مادّی ترقی کی راہ پر گامزن رہیں۔ مغربی قوموں کی مسلسل ترقی مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی۔

وقت کا یہ شدید تقاضا ہے کہ مسلمان ان احساساتِ کمتری سے جو روحِ اسلام اور اپنے تمدّن کی شاندار

سائنسی تاریخ سے عمومی ناواقفیت کی بنا پر اور شدید ہوگئی ہے نجات حاصل کریں اور اپنے ماضی کی ان زرّیں روایات کا احیا کریں جبکہ علما اسلامی تعلیمات کا اور دوسرے علوم کا جن میں سائنسی علوم بھی شامل تھے جامع علم رکھتے تھے۔ تعلیماتِ اسلامی کو اپنا کر اور سائنسی ٹیکنالوجی اور صنعت کے میدان میں ترقی کرکے ہی مسلمان وہ ضروری روحانی و مادی قوت حاصل کر سکتے ہیں جو اچھائی کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے اس مقدس فریضے کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے اور ایسا کرکے ہی وہ زمین پر صحیح معنوں میں اللہ کی خلافت کے مستحق ہو سکتے ہیں جس کا نتیجہ اس دنیا اور بعد میں آنے والی زندگی میں کامیابی اور خوشحالی ہوگا۔

الفہرست

تالیف : محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق

ترجمہ و تحشیہ : مولانا محمد اسحٰق بھٹی

محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق کی یہ چوتھی صدی ہجری کے علوم و فنون اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اور اس موضوع سے متعلق بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید کے علوم، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علمِ نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، شعر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلہ کی تصانیف کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نیز ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج تھیں۔

الفہرست کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ متعدد نسخے سامنے رکھ کر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ فاضل مترجم نے ضروری حواشی دے کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قیمت : -/۲۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور